OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

تفسیر مہائمی کا منہج واسلوب:ایک تحقیقی مطالعہ

A Study of the Mythology and Style of *Tafseer-i-Muhaimi*

Muhammad Bilal

Doctoral Candidate Islamic Studies & Arabic, Gomal University D. I. Khan

Dr Hafiz Abdul Majeed

Assistant Professor of Islamic studies & Arabic, Gomal University D. I. Khan

Dr Abdul Hameed

Assistant Professor, Department of Linguistics and Literature (Urdu) Qurtuba University of Science and Information technology, Dera Ismail Khan

Abstract

It is great virtues to comprehend the revealed book of Allah, such kind of narrations are called Exegesis of Holy Quran. There are few narrators, who adopted coherence aptitude in Quran very simply and briefly. They had claimed that Quranic chapters as well as verses are mutually connected. this kind of contact is named as" *Nazm-i-Quran". Molana Ali Ibnn Ahmed al-Muhaimi* was a *Mufasir-i Quran*, he the blessed one, wrote a tafsir named *Tabseer-ur-Rehmān wa Tasseer-ur- Mannān*" the methodology of tafsir also represents the ideology of coherence. The tafaseer was published by *Maktaba Bolāq* Egypt. List of the methodology found in this tafsir is as under: 1. Every surah has a basic claim, verses of that surah surround about that theme. 2. *Tawheed* is the principal commandment discussed in the whole Quran. 3. Coherence is the miracle of Quran. 4. The whole Quranic Surahs are as connected as pearls. 5. Quran is a sermon style book, not like a written one.

Key words: *Al-Muhaimi*, Tafseer, methodology

CC BY

تمہید

شیخ علاؤالدین علی بن احمد مہائمیؒ(835ھ) جن کی کنیت ابوالحسن وزین العابدین لقب ہے، 10 محرم الحرام 776ھ بمطابق 1372ء قدیم گجرات جب کہ موجودہ مہاراشٹر کے شہر بمبئی کے علاقہ ماہم میں شیخ احمد پیرؒ کے ہاں متولد ہوئے۔ نام علاؤالدین اور علی دونوں ہیں کنیت ابوالحسن اور لقب زین الدین۔[1] خاندان نوایت* کے قبیلہ پروسے تعلق رکھتے ہیں، علم فقہ میں مجتھدانہ بصیرت کی وجہ سے فقیہ اور مرجع خلائق ہونے کی وجہ سے مخدوم کے لقب سے پکارے گئے۔ والد ماجد کا نام شیخ احمد ہے، یہ جلیل القدر عالم اور ولی کامل تھے، اور کوکن کے دولتمند تاجروں میں شمار کئے جاتے، اور والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ تھا اور وہ بڑی عابدہ خاتون تھیں۔ والدہ ماجدہ کی خدمت کا یہ عالم تھا، کہ ایک رات ان کے پانی طلب کرنے اور سوجانے پر شیخ کو شب بھر پانی کا کٹورا تھامے کھڑا رہنا پڑا، جب والدہ بیدار ہوئیں، تو اس عمل سے اس قدر خوش ہوئیں، کہ مصلیٰ بچھایا اور شکرانہ کے نوافل کی ادائیگی کے بعد رفع مراتب کے لئے دعا کی۔[2] چنانچہ نصیب جاگ اٹھے اور تربیت خاص کا ماحول حصے میں آیا۔ نواب عزیز یار جنگ آپ کی اس سعادت مندی کا حال یوں بیان فرماتے ہیں" شیخ مہائمی کے والد ماجد مولانا شاہ احمد قدس سرہ نے اپنے ہونہار صاحبزادے کی طباعی، ذہانت اور شوق اکتساب علوم کو دیکھ کر ان کی اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ کی، چونکہ وہ خود بھی عربی کے بڑے عالم تھے، اس لئے باپ کی توجہ نے بیٹے کو عالم بنادیا، چنانچہ وہ بہت تھوڑے عرصے میں فقہ، علم منطق، فلسفہ اور حدیث وغیرہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہوگئے۔"[3] علم و تقیٰ میں یکتا تھے، شاہ ولی اللہؒ نے آپ کو اصحاب طریقت میں بلند مقام پر فائضین میں شمار کیا ہے۔ اپنی مشہور کتاب الخیر الکثیر میں لکھتے ہیں۔ "ہمارے نزدیک نور نبوت کے چار مختلف طبقے ہیں۔۔۔ چنانچہ اصحاب طریقت میں سے حضرت غوث الاعظمؒ، شیخ سہروردی،۔۔۔ مخدوم علی مہائمیؒ، اور مولانا جامیؒ اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔۔۔"[4]۔ صاحب برکات الاولیاء لکھتے ہیں:" شیخ مہائمی بڑے زاہد وعابد، جامع علوم شریعت وطریقت اور صاحب تصرفات ظاہری وباطنی تھے۔"[5] شیخ نے علوم کو آگے منتقل کرنے میں سخاوت سے کام لیا، اور سینکڑوں لوگوں کو فیض یاب فرمایا۔ امام الدین گلشن آبادی لکھتے ہیں۔"مہائم میں ایک مدرسہ تھا، جس میں شیخ مہائمی طلباء کو درس علوم ظاہری وباطنی دیا کرتے تھے، اور اکثر اوقات تصنیف و تالیف میں گزارتے"[6] چنانچہ ان کے ایک شاگرد محمد سعید رتناگیری کا ذکر تذکرہ کی کتابوں میں ملتا ہے۔"[7] شیخ کا اغلب رجحان تصوف تھا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے آپ کا تذکرہ ایک صوفی کی حیثیت سے کیا ہے،[8] 835ھ بمطابق 1431ء 59 برس کی عمر بروز شب جمعہ کو مہائم میں واصل بحق ہوئے اور بروز جمعہ والدہ کے جوار میں مدفون ہوئے۔[9] شیخ مہائمی ایک صاحب مطالعہ شخصیت کے مالک تھے، آپ کے پاس مختلف علوم وفنون کی قیمتی اور نادر کتب کا اچھا خاصہ ذخیرہ تھا، آپ کے زمانہ میں گجرات کے جو مشہور کتب خانے تھے، ان میں ایک کتب خانہ آپ کا بھی تھا، لیکن گردش ایام نے ان کتابوں کو محفوظ نہ رہنے دیا۔ البتہ کتب خانہ ابھی باقی ہے۔[10] آپ کی چند کتب یہ ہیں: "انعام الملک العلام باحکام حکم الاحکام (موضوع کتاب اسرار شریعت)، ادلۃ التوحید (یہ شیخ ابن عربی کے موقف وحدت الوجود کی تائید میں لکھی گئی)، النور الازھر فی کشف سر القضاء والقدر، (اس کا موضوع ابن عربی کے نظریہ قضاء وقدر کی تائید ہے۔، خصوص النعم فی شرح فصوص الحکم، (یہ ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کی شرح ہے)، الرتبۃ الرفیعۃ (یہ شریعت اور طریقت میں تطابق پیدا کرنے سے بحث کرتی ہے)، امحاض النصیحۃ (یہ ابن عربی کا دفاع کرتی ہے)، زوارف اللطائف، (یہ عوارف العوارف کی شرح ہے، جس کا

موضوع تصوف کی اصطلاحات ہے۔) مراءۃ الحقائق (محمد عزالدین مغربی کی فارسی کتاب "جہاں نما" کا ترجمہ ہے) اس کا موضوع ذات حق، احدیت، حقیقت محمدیہ وغیرہ جیسے مباحث ہیں)، استجلاء البصر فی رد علیٰ استقصاء النظر (یہ ایک شیعہ عالم کی کتاب المطہر الحلی کا جواب ہے)، الوجود فی شرح اسماء المعبود (یہ کتاب اسماء حسنیٰ کی شرح ہے)، فقہ مخدومی، (یہ شافعی فقہ کی موئید کتاب ہے۔) رسالہ عجیبیہ (یہ سورت بقرہ کے وجوہ اعراب کا نادر طرز کا بیان ہے)۔"[11]

"آپؒ دیگر کتب کے علاوہ ایک شاہکار تفسیر مسمیٰ بہ تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان کے مصنف بھی ہیں۔ اس تفسیر کو ریاست بھوپال کے مدارالمہام جمال الدین دہلویؒ مطبع بولاق مصر سے دو ضخیم جلدوں میں شائع کیا۔ جلد اول سورت کہف پر ختم ہو رہی ہے۔ اس تفسیر میں جلالین کے تتبع کے علاوہ مفسرؒ کے نادر النظیر تفسیری نکات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ تفسیر نظم القرآن کی نمائندہ تفاسیر میں سے ایک ہے۔ کتاب کے شروع میں ایک مختصر مقدمہ ہے، جس میں کلام اللہ کی خوبیوں، برکتوں اور اللہ کی بزرگی وشان کا ذکر ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے علیم وخبیر ہونے اور قرآن کے معجزہ ہونے کے دلائل پیش کئے ہیں۔ پھر بطور تائید آیات واحادیث اور اقوال پیش کئے ہیں"[12] شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس تفسیر کے بارے رقم طراز ہیں: "تفسیر رحمانی کہ بہ صنعت ایجاز وتدقیق موصوف است وتفسیر رابہ قرآن امتزاج دادہ است۔"[13] یعنی اس تفسیر کا خاصہ قرآن کے دقیق پہلوؤں سے قرآن کے پس منظر میں اس کی آیات کی تفسیر کرنا شامل ہے۔ شیخ محمد حسن غوثی شطاری لکھتے ہیں۔ "تفسیر رحمانی میں ترجمہ وتشریح کو قرآنی ترتیب کے ساتھ ملا دیا گیا ہے، اور تکرار سے اجتناب کیا گیا ہے، یہ عمدہ طریقہ شیخ مہائمی کی اختراع ہے،"[14] مولانا عبدالحیی لکھتے ہیں۔ "تفسیریں تو سینکڑوں لکھی جاچکی ہیں، مگر جس بات سے اس تفسیر کو امتیاز وخصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں التزام کے ساتھ تمام قرآن پاک کی آیات کریمہ کے باہم دگر مربوط ہونے کو ایسے دل نشیں طریقے سے پیش کیا گیا، جس کو پڑھ کر انسان وجد میں آجاتا ہے، اور بے ساختہ منہ سے داد نکلتی ہے۔"[15] یہ تفسیر اپنے اسلوب میں بہت سی خوبیوں کی حامل ہے۔ ذیل میں اس کے منہج واسلوب کو بیان کرنے سے قبل اس تفسیر کا موضوع جو کہ مفسرؒ نے خود متعین کیا ہے، پیش کیا جاتا ہے، شیخ مہائمی مقدمہ تفسیر میں لکھتے ہیں: "نظم قرآن کے چند حسین نکتوں پر مشتمل یہ تفسیر ہے، جن تک رسائی مجھ سے قبل کسی انسان یا جنات کی نہ ہو سکی تھی، میری یہ کہاں جراءت ہو سکتی تھی، کہ انہیں ہاتھ لگاؤں، کیونکہ پاکیزہ لوگ ہی اسے چھو سکتے ہیں، جبکہ میں خباثت اور غلاظت کے سمندر میں غوطہ کھا رہا ہوں، جس میں اکثر لوگ ڈوب کر ہلاک ہو چکے ہیں، لیکن اللہ نے مجھ پر یہ احسان کیا۔۔۔ اور مشکل کام کو آسان بنایا، اور مجھے یہ توفیق بخشی کہ میں ان آیات کے اوپر سے نقاب اٹھاؤں، تاکہ ربط آیات اور ترتیب کلمات کا جمال معجزانہ صورتوں کو نکھار کر سامنے لا سکے۔۔۔"[16]

جب کوئی مفسر اپنی فکر کو قاری کے لئے آسان تر بنا کر اپنے ذہنی خاکہ کے مطابق پیش کرتا ہے، تو یہ اس کا منہج واسلوب کہلاتا ہے۔ اس منہج میں مفسر کے طبعی فکری رجحانات کو بہت دخل ہوتا ہے، تفسیر مہائمی کا اگر بغور جائزہ لیا جائے، تو ان کا انداز تفسیر چند بنیادی اشیاء پر مشتمل ہے۔ جن کو اگر سمجھ لیا جائے، تو اس تفسیر کا مطالعہ آسان ہو جاتا ہے، یوں قاری مفسر کے مدعا تک با آسانی پہنچ کر مراد مطالعہ حاصل کر سکتا ہے۔ شیخ مہائمیؒ کا اسلوب تفسیر سادہ اور اختصار سے متصف ہونے کی وجہ سے جلالین سے مماثلت کھاتا دکھائی دیتا ہے۔

یہ تفسیر مختصر سے مقدمہ سے شروع ہوتی ہے، جو چھ صفحات پر مشتمل ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے: مقدمہ ایک خطیبانہ منظوم طرز میں مسلسل روانی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد، پھر قرآن مجید کی عظمت اور اعجاز، خاص طور پر نظم قرآن کی تلاش میں شیخ کا مختصر و

جامع انداز، اس کے بعد قرآن کے باطن کی دلنشیں بحث، وجہ تسمیہ تفسیر، پھر قرآن مجید کے اسلوب کو اس کا سب سے بڑا وجوہ اعزاز قرار دینا، قرآن کی ترتیب و تنظیم کو بیان کر کے اسے عربوں کی شکست کا سبب بتلایا، قرآن کے وجوہ اعجاز کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے، جس میں پہلا درجہ اس کی نزولی کیفیت ہے، جسے مہائمیؒ نے لشکروں کے اترنے اور بارش کے قطروں سے تشبیہ دی ہے، اس کے بعد مفسر نے قرآن سے اخذ واستنباط پر ادلہ قائم فرمائے ہیں، فاضل مفسر کا یہ نظریہ ہے، کہ قرآن کی تفسیر بالرائے کی جاسکتی ہے، اس کی وجہ قرآن کی تفسیر کے لئے ذخیرہ احادیث کا ناکافی ہونا ہے۔ اس ضمن میں تفسیر بالرائے المحمود پر دلائل دیئے ہیں، اس میں اجتهاد جو سنت کے تابع رہ کر کیا جائے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ دراصل یہی نظم قرآن کی اساس ہے، جو تفسیر کا بنیادی موضوع ہے، مقدمہ کی آخری بحث تفسیر و تاویل کا فرق ہے۔ مقدمہ میں جن امور کی کمی محسوس کی جاسکتی ہے، ان میں اصول تفسیر کا نادر وجود ہے، دوسرا مفسرؒ کا تصور نظم اس پر باقاعدہ موقف سامنے نہیں لائے، تفسیر سے اخذ کرنا پڑتا ہے۔ مفسر کا انداز تفسیر کچھ اس طرح رہا ہے۔

1۔) وجہ تسمیہ سور: ہر سورت کی تفسیر سے قبل اس کا متعین نام اور اس کے اسباب وعلل بیان کرتے ہیں۔ نیز اس سورت کے موضوع کا مختصر تعارف بھی کرواتے ہیں۔ تاکہ یہ معلوم ہوسکے، کہ اس سورہ کا خاص مطلب کیا ہے، اور اس کا موجودہ نام کیوں رکھا گیا۔ چنانچہ سورت بقرہ کی وجہ تسمیہ کو یوں بیان فرمایا ہے۔

> "سمیّت بها لدالة قصتها علی وجود الصانع اذ حیاة القتیل لیست من ذاته والالحی کل قتیل ولا بضرب بعض البقرة علیه والا لحصلت متی ضرب وعلی قدرة لا بهٰذا الاسبب بل عنده وعلی حکمة لانه اشار بذٰلک الیٰ احیاء القلب بذبح النفس الامارة المظلمة له۔۔"[17]

سورہ بقرہ کی وجہ تسمیہ بقرہ اس لئے ہے، کہ اس سورت میں گائے کا جو قصہ مذکور ہے، وہ صانع وخالق کے وجود پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ مقتول کی زندگی خود اس کی نہیں تھی، بلکہ کسی کی عطاء کردہ تھی، اگر مقتول کی زندگی اس کی ملک مان لی جائے، تو ہر مقتول زندہ قرار پائے گا، اور قتل وذبح کی نوبت ہی نہ آپائے گی۔ سورت میں مذکور مقتول کا زندہ ہوجانا اللہ کی قدرت کی نشانی ہے، نہ کہ گائے مذبوحہ کے گوشت کا کمال، دوسرا اشارہ اس میں انسان کے لئے نفس امارہ کو ذبح کر کے دل کو زندہ کر لینے کا ہے۔ یہ اسلوب وجہ تسمیہ سورت پورے قرآن کی تفسیر میں منطبق فرمایا ہے، سورت مریم کی وجہ تسمیہ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

> "سمیت بها لان قصتها تشیر الی ان من اعتزل من اهلهٖ لعبادة الله وطلب بها اشراق نوره یرجی ان یکشف له عن صفات الحق وعن عالم الملکوت ویظهر له الکرامات العجیبة وهٰذا من اعظم مقاصد القرآن۔۔۔"[18]

سورت مریم کا نام اس میں مذکور قصہ مریمؑ کی وجہ سے دیا گیا، کہ جس میں اشارہ ہے، کہ جو کوئی اہل خانہ سے اعتزال کر کے اللہ کی عبادت میں لگ جائے گا، اور اللہ پاک سے اس کے انوار کی تجلیات کا طالب ہو گا، کہ وہ اس پر اپنی صفات کا کشف فرمائیں، اور عالم ملائکہ کے احوال اور اس طالب صادق پر عجیب کرامات کا در کھول دیں، تو امید واثق ہے ایسا ہو گا، اور اس طرح منہمک ہو کر عبادت کرنا قرآن کے بڑے مقاصد میں سے ایک ہے۔ دراصل شیخ مہائمی سورت کا نام متعیّن کرنے میں اس کے مرکزی موضوع کو اہمیت دیتے ہیں، پھر اس قصہ کا مقصود اپنے اجتہاد سے واضح کرتے ہیں، جو ایک منفرد اسلوب ہے۔

2) اس تفسیر کا ایک اہم طرز اس کا ربط کا جداگانہ ہے۔ آیات کا دیگر آیات سے ربط کا اسلوب تو کئی مفسرین کے ہاں پایا جاتا ہے، لیکن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ہر سورت سے ربط بیان کرنا یہ بات موجودہ مصادر کی روشنی میں دعوٰی سے کہی جا سکتی ہے، کہ یہ مہائمی کا امتیاز ہے۔ دراصل شیخ مہائمیؒ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو قرآن کی باقاعدہ آیت تصور کرتے ہیں۔ اس آیت کا ہر سورت سے جدا ربط بیان کرنے میں تکرار تک نہیں آنے دیا۔ یہ شیخ کے تبحر علمی کا فیضان ہے۔

سورت نساء سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اس سورت سے اس طرح مربوط کرتے ہیں،

> "سمیّت بها لانّ ما نزل منها فی احکامهن اکثر مما نزل فی غیرها ،(بسم الله) المتجلیٰ بجمیعته فی النفس الواحدة(الرحمٰن) بخلق زوجها منها وبث الرجال والنساء منهما العمارة العالم (الرحیم) بما امر من التقویٰ فی رعایت حقوقه ای من نسی القویٰ۔۔۔"[19]

اس سورت کی وجہ تسمیہ اس وجہ سے یہ ہے، کہ اس میں اکثر احکامات عورتوں سے متعلق ہیں جو کسی اور سورت میں اس قدر بیان نہیں فرمائے۔ اس ذات کے نام سے آغاز جس نے اپنی جمیعت سے انسان کا آغاز ایک جان سے فرمایا۔ وہ رحمٰن ہے جس نے اس نفس واحد سے ہی اس کا جوڑا پیدا کیا، اور پھر ان میں سے بہت سے مرد و عورت پیدا فرما کر پورے عالم کی عمارت ان پر کھڑی کر دی۔ وہ رحیم ذات ہے جس نے مادہ رحم کا حصہ مرد کو عطاء کرکے عورت کے حقوق کا خوف بصورت تقوٰی اس کے دل میں ڈال دیا۔ کس احسن انداز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اجزاء جو اسماء الحسنیٰ ہیں انہیں سورت نساء سے ربط دیا ہے۔ یعنی یہاں بسم اللہ سے مراد وہ بسم اللہ ہے جو رب تعالیٰ نے انسان کے آغاز سے کی تھی، اس کی صفت رحمانی ہی کا کمال جو سارے عالم پر اس کی برابر رحمت کا مظہر ہے، کہ اس نے عالم کو حضرت انسان کی دو مخالف الطبع جنسوں سے آباد فرمایا۔ پھر صفت رحمت جو خاص بندوں پر قائم ہوتی ہے، اس کے طفیل طاقتور مرد کے دل میں ضعیف عورت کے بارے نرمی ڈال دی۔ ورنہ معاشرتی توازن بگڑ جاتا۔ یہ واقعی وہ نکات ہیں جن پر عقل کا کم اور وہبیت کا رنگ غالب ہے۔ سورت اٰل عمران کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اس طرح ربط دیتے ہیں۔

> "بسم الله الجامع الکلمات اللطفیه والقهریة اذ لطف بعیسیٰ اٰمنوا برسالة وقهر به قوما کذبوه او جعلوه الٰها او ولده۔(الرحمٰن)باضافة الحیاة وافادةالقوام وارسال الرسل وانزال الکتب(الرحیم)باضافة العلم والتوفیق للایمان بالکل والعمل بالمتاخر۔۔۔[20]

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو جامع کلمات پر مشتمل ہیں جس میں (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں) اللہ کی صفات لطفیہ یعنی اس کی رحمت، اور صفات غضبیہ، جیسے اس کی صفت لطافت کے طفیل لوگ حضرت عیسیٰ پر ایمان لائے، جنہوں انکی تکذیب کی یا ان پر خدا ہونے اور انکی والدہ پر ایسا گمان کرنے پر وہ اللہ کی صفت غضبیہ کا شکار ہوئے، اور یہ اس کی رحمانیت کا صدقہ ہے زندگی بخشنا، قومی فوائد اور انبیاءؑ و رسل کو بھیجنا اور کتب سماوی کا نزول، اس کی صفت رحیمیت کے طفیل علم اور ایمان کی توفیق کا عطاء ہونا پھر اس کے مطابق عمل کی توفیق ہونا ہے۔ سبحان اللہ یہ نکات عقلی کے ساتھ ساتھ عطاء ربانی سے خاص محسوس ہوتے ہیں۔ یہ تفسیر ہندوستان کی اولین میں شمار ہوتی ہے، اس طرح نظم کا یہ خاص اسلوب بعد والوں کے ہاں نہیں ملتا۔

ایک نئی جہت بیان یہ اختیار فرمائی، کہ اکثر مفسرین کے ہاں تسمیہ اور تعوذ قرآن کا حصہ ہیں یا نہیں، کی بحث گردش کرتی رہتی ہے، شیخ نے ابتدائے تفسیر میں ان دونوں پر الگ الگ ایک تقریر نقل فرمادی ہے، تاکہ قاری اس شبہ سے بری ہو کر تفسیر کا مطالعہ کر سکے۔ ابتداء تعوذ کے ارکان کی بحث کو لیاہے، جس میں کلمۃ التعوذ "اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم" کے الفاظ وارا کین کو لیاہے، اس کا عنوان باندھاہے، الکلام فی الاستعاذہ، ابتدائے بحث میں ہی حکم لگادیتے ہیں، بعد میں اس کے دلائل نقل کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

"لیست من القرآن،بل مقدمۃ القراءۃ اوجبھا ابن عطاء لکل قراءۃ واشہر عباراتھا اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم الاعوذ الالتجاء والاعتصام او التحصن او الاستعانۃ والباء للصاق ای الصق التجائی بحفظ اللہ او اعتصامی بقوتہٖ۔۔۔والشیطٰن من الشطن وھو البعد لبعدہٖ عن اللہ او الخیر۔۔۔"[21]

کس قدر آسان پیرائے میں الفاظ کے لغوی پہلو واضح کر دئے، البتہ ان لغات کے مصادر نقل نہیں فرماتے، بلکہ اس تجسس کو قاری پر باقی رکھتے ہیں۔ تعوذ قرآن میں سے نہیں ہے، یہ قراءت کا مقدمہ ہے یعنی قراءت سے قبل اس کا التزام ضروری ہے، ابن عطاء نے اسے واجب قرار دیاہے ہر بار قراءت سے قبل، اور اس کی مشہور عبارت یہ ہے، اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، الاعوذ سے مراد درخواست ہے حفاظت کی اور قلعہ بند ہونے کی، اور مدد چاہنے کی، باللہ کی باء دراصل باء استعانت ہے۔۔۔اور شیطٰن کا لفظ شطن بمعنی مایوسی کے ہیں، یعنی دوری اللہ سے اسکی رحمت اور بھلائی سے۔ اب اندازہ ہو جانا چاہئے کہ اسلوب بیان کس قدر سھل ہے، یہ طرز جلالین کا تتبع محسوس ہوتا ہے۔ اس اسلوب کو اسلوب بیان معانی کہ سکتے ہیں۔ فقہاء کو نقل کرنے کا اسلوب ایجازی ہے، پھر شافعی مذہب کا آخر میں ذکر کر کے اسے راجح قرار دیتے ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورت فاتحہ کی آیت ہے، یہ شوافع کا مسلک ہے، اس کو اس طرز سے بیان فرمایاہے۔ "بعض آیۃ من النمل ولیست من القرآن فی براءۃ اجماعا فیھا،ونفی مالک وقدماء الحنفیۃ قرآنیتھا، ومتاخروھم کونھا من السور علیٰ الصحیح من المذہب واتحد رائ الشافعی انھا من الفاتحۃ واصح قولیہ من غیرھا۔۔۔"[22]

بسم اللہ الرحمن الرحیم سورت نمل کا بعض حصہ ہے جبکہ سورت براءۃ یعنی توبہ کا حصہ نہیں اس پر تو اجماع ہے، اور امام مالکؒ، اور متقدمین احناف نے اس کے قرآنی ہونے کی نفی کی ہے، اور متاخرین نے اسے سورت کا جزو ماناہے جو صحیح مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے رائے سے اتفاق کیاہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورت فاتحہ کی آیت ہے۔ اس میں دو اسلوب سامنے آرہے ہیں، آیت کا حکم لگانے اور فقہی آراء کو نقل کرنے میں اعتدال بھی ملحوظ رکھتے ہیں، جو اسلاف کا شیوہ تھا۔ اپنے فقہی مسلک کی تائید میں جہاں ضروری محسوس ہوتاہے، احادیث سے استشہاد کرتے ہیں، فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں لکھتے ہیں۔

"ومنھا سورۃ الصلاۃ لانھا رکنھا فی کل رکعۃ للماموم والامام لما روی الدارالقطنی عن النبی علیہ السلام انہ صلیٰ بعض الصلاۃ اللتی بجھر فیھا بالقراءۃ فلما انصرف اقبل علینا بوجھہ الکریم فقال مالی انازع القرآن لا تقرؤ شیاء من القرآن اذا جھرت الا ام القرآن فانہ لا صلاۃ قلن لم یقراء بھا۔۔۔وروی ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ عن اللہ تعالیٰ قسمت الصلاۃ ای السورۃ اللتی ھی اعظم ارکان الصلاۃ بینی

وبین عبدی۔۔۔"[23]اس سورت کے ناموں میں سے ایک الصلاۃ بھی ہے، جو کہ ہر رکعت کا رکن ہے، امام اور مقتدی دونوں کے لئے، جسے امام دار قطنی نے روایت کیا ہے، کہ نبی پاک ﷺ نے کوئی ایک نماز پڑھائی جو جہری تھی، یعنی آپ اس میں باآواز بلند تلاوت فرمارہے تھے، پس جب آپ فارغ ہوئے،، تو آپ نے اپنا رخ انور پیچھے پھیرا، پس آپ ﷺ نے فرمایا، میرے لئے نہیں ہے کہ میں منازعت کروں، جب امام بلند پڑھ رہا ہو تو نہ پڑھو کچھ بھی قرآن سے، ہاں مگر ام القرآن یعنی سورت فاتحہ اس لئے اس آدمی کی نماز درست نہیں جس نے فاتحہ پڑھے بغیر ادا کی۔۔۔ اور حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے اور آپ ﷺ اللہ جل شانہ سے روایت کرتے ہیں، تقسیم کردی نماز میں نے اپنے اور بندے کے درمیان، الصلاۃ یہ سورت ہے جو نماز کا رکن اعظم ہے۔

شوافع چونکہ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں، شیخ مہائمیؒ اپنے مسلک کی تائید میں مختلف مقامات پر احادیث سے استشہاد کرتے ہیں۔ شیخ ایک صوفی باصفا ہستی کے مالک تھے، اس غالب رجحان کے پیش نظر تفسیر میں اشارات تصوف اس قدر ہیں کہ علیحدہ موضوع کے طور پر اس پہ کام ہو سکتا ہے۔ سورت فاتحہ کی اسمی تحقیق کرتے ہوئے اس کے معروف نام ام الکتاب اور ام القرآن کے حوالے سے اس کا سلوکی پہلو کچھ یوں بیان کیا ہے۔

"۔۔۔والطریقة معاملات القلوب والحقیقة مکاشفات الارواح فن الاصول معرفة اللہ تعالیٰ بانه الذی قامت به الموجودات قیام الاجساد بالارواح ومعرفة وجودہٖ بانه الذی رجح من رحمة اجد طرفی الممکنات ومعرفة صفاتهٖ بانها الکمالات الموجبة للحمد والتربیة تقتضی الحیاة والعلم والارادة والقدرة والجزاء ھو السمع والبصر لاقوال المکلفین وافعالھم۔۔۔"[24]طریقت دل کے معاملات سے بحث کرتی ہے، اور حقیقت (تصوف کی ایک اصطلاح) روحوں کے ان مکاشفات کا نام ہے جس میں انہیں اللہ عزوجل کی معرفت نصیب ہوتی ہے، وہ ذات جس کے کرم کے طفیل دنیا کی موجودات کا قیام ہے، جس میں زندہ وجود یعنی روح مع الجسد اور حقیقت سے مراد اس ذات کی معرفت ہے، جس کی رحمت غالب ہے اور اس کی صفات کی معرفت ہے جس کے باعث اس کے کمالات کی تحمید واجب ہوتی ہے، جس کا تقاضا زندگی کرتی ہے علم ، ارادہ اور قدرت کے ساتھ، اور اس کی جزاء قوت سمعی و بصری ہے اہل تکلیف پر اور ان کے اعمال پر۔۔۔

اسی سورت کی آیت اھدنا الصراط۔۔۔ میں لفظ ہدایت کی صوفیانہ تفسیر کا اسلوب یہ رہا ہے۔"الھدایة الدلالة بلطف اما بالھام کمص الشدی والتشکی بالبکاء او بافاضة المشاعر المظاھرة والباطنة او ببدیھة العقل او الدلائل النظریة او با ارسال الرسل وھی اما عامة تعریف طریق الخیر والشر ۔۔۔والولایة یکشف عن الاشیاء علی ماھی علیه اما من اللہ قل ان ھدی اللہ ھو الھدی او الی اللہ انی ذاھب الی ربی سیھدین او باللہ لولا اللہ مااھتدینا ۔۔۔"[25]ہدایت وہ لطیف دلالت ہے جیسے الہام جس سے انسان پر آہ وزاری کی کیفیت طاری ہو، یا یہ شعار ظاہرہ و باطنہ کی تحصیل کا نام ہے، جس کا ماخذ انسانی عقل ہے، یا اس کا ذریعہ انبیاءؑ کی بعثت اور یہ اس کی عام تعریف ہے کہ یہ خیر وشر

کے راستے میں تفریق کا نام ہے۔۔۔اور ولایت چیزوں کا مکاشفہ ہونے کا نام ہے جیسے اللہ نے فرمایا فرمادیجئے اے نبی ﷺ کہ ہدایت وہی ہے جسے اللہ عطاء کرے، یاوہ اس کی طرف چل کے آنے کا نام ہے۔ جیسے اللہ نے فرمایا یہ وہ راستہ ہے جو تیرے رب کی طرف آتا ہے یا یہ تعلق باللہ ہے جیسے فرمایا اگر اللہ ہمیں نہ ملاتا اس راہ سے۔۔۔ہدایت کو تصوف کے آئینہ میں سورت بقرہ کی تفسیر کے ابتدائیہ میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔"۔۔۔لانه اشار بذلک الی احیاء القلب بذبح النفس الامارة المظلمة له وعلی النبوة لکونها معجزة وفیها اشارة الی وجوب طاعة الانبیاء من غیر تفتیش ۔۔۔لان طلب الدنیا ذلة وطلب ما سوی الله شبة وعلی ان المجاہدة تفید الهدایة ۔۔۔"[26]اس سورت کے قصہ ذبح گائے میں دراصل اشارہ ہے ذبح نفس امارہ کی طرف جس کا نتیجہ احیاء القلب کی صورت ہو گا، دوسرا اشارہ نبوت کی تکوینی حیثیت ہے جو معجزہ ہے، اور اس میں بلا قیل و قال انبیاءؑ کی اتباع کی طرف اشارہ ہے۔۔۔اس لئے کہ دنیا کی خواہش رسوائی ہے، اور اللہ کے علاوہ کی چاہت میں شبہات ہیں، اور مجاہدہ بالنفس ہدایت کے حصول میں نافع ہے۔

شیخ کا صوفیانہ ذوق کس قدر اثر انداز تھا، کہ عام آدمی کی عقل کو جہاں رسائی نہیں وہاں یہ عارف ربانی پہنچ چکا ہوتا ہے۔ تصوف کے بیان میں شیخ کا یہ اسلوب ہے، کہیں اس کا تعارف، اس کی حکیمانہ بنیادیں اور کہیں اس کے ثمرات نقل کر دیتے ہیں۔ اصحاب کہف کا واقعہ اس جماعت کو صوفیاء کی جماعت قرار دے کے ان کی پیہم آزمائشوں کو قلبی ترقی کا باعث قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> "انهم فتية) اوتو القوة العقل والفهم والصبر والتوکل حتیٰ(أمنو بربهم ،مع اتفاق اقوامهم علی الشرک به (وزدناهم هدی) بترجیح جانب الله علیٰ جانب انفسهم ،(وربطنا)محبتنا بقلوبهم فجعلناها غالبة۔۔۔"[27]
>
> یہ نوجوانوں کی ایک جماعت تھی، جنہیں اللہ جل شانہ نے خاص قوت فہم و عقل اور صبر و توکل سے نوازا تھا، یہاں تک کہ اپنے رب پر ایمان لے آئے حالانکہ قوم اجتماعی طور پر مشرک تھی، اور اللہ نے انکی ہدایت بڑھادی، یعنی انہوں نے اللہ کی جانب بڑھے اور نفس کی طرف سے دوری اختیار کی۔ اور ہم نے ان کو پکا کر دیا، یعنی اپنی محبت کو ان کے دلوں میں پس وہ ان کی دیگر خواہشات پر غالب آگئی۔

اس طرز تفسیر میں شیخ کا سلوکی رجحان نظر آرہا ہے، اسلوب اس کا یہ ہے الگ الگ مختصر جملوں میں تفسیر کرتے ہیں۔ سورت یوسف میں قصہ حضرت یوسفؑ کے اس مقام (وھم بھالولا ان رابرھان ربہ) کی صوفیانہ تفسیر کا اسلوب اس طرح رہا۔"(وهم بها لولا ان را برهان ربه) ای ولولا انه رایٔ دلائل الکشفیة والعقلیة والنقلیة علی ضررالزنا والخیانة فی محل الامانة والضرر فی محل النفع والاساءة الی المحسن لقصدا کراهها علی الزنا لو امتنعت علیه وکما ارنیاه البرهان فی ذلک ۔۔۔(و) لما رای یوسف همها بالاکراه بعد رویة البرهان قام هار با الی الباب وتبعته ۔۔۔"[28] یہاں پر شیخؒ کا تصوف کا رجحان غالب نظر آتا ہے، نیز اس کا اسلوب بھی دلکش ہے، برھان کی وضاحت کشف عقلی و نقلی سے فرمائی ہے، یعنی اللہ نے ان پر زنا کے مضرات کا مکاشفہ فرمایا، ان پر گرہ کشائی فرمائی کہ یہ جگہ ومقام امانت ہے نہ کہ خیانت، اور یہ محل احسان ہے نہ کہ محل زیادتی، پس اسی انکشاف قلبی نے حضرت سے زنا کو دور کر دیا۔۔۔ پس جب یوسفؑ نے دیکھا کہ وہ عورت پکا ارادہ کر لیا، تو جناب یوسفؑ نے برھان ربی کی بدولت وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور مفر حاصل

کی۔ پس یہ کمالات کشفیہ کے سبب تھا، حضرات صوفیاء کے نزدیک کشف ایک مقام ہے، جہاں مغیبات بحکم الٰہی کھول دی جاتی ہے۔

اسلوب کے حوالے سے یہ ہے، کہ ایک لفظ کو خاص کر لیتے پھر اس کی تفسیر صوفیانہ رجحان سے کرتے ہوئے اصطلاحات تصوف بھی بطور مدد ومعاون لاتے ہیں۔ سورتوں کے اوائل میں موجود حروف مقطعات کی تفسیر میں تصوف کے رجحان کو بھی بیان کرتے ہیں، جیسے سورت یوسف کے حروف مقطعات کو اس اسلوب سے بیان فرمایا ہے: " (الر)ای آیات لوامع الرشد او اجل اللطائف الربوبیۃ اؤ اخص لباب الرحمۃ او علی لواء الرفعۃ ---"[29] یہاں "ر" سے مراد رشد کی راہ ہے یا پھر اللہ کے لطائف ربوبیت کی راہ ہے یا اللہ کے خاصہ رحمت کی راہ ہے یا جھنڈا رفعت کی راہ ہے۔ سورت الرعد کے حروف مقطعات کے آخری حرف کو بیان کیا ہے جیسے سورت یوسف میں کیا تھا، پہلے دو حروف کو بیان نہیں کیا۔ لکھتے ہیں: "(المر) ای آیات لباب مجامع الرحمۃ او علی لواء مراتب الرفعۃ او انوار لوامع المعارف الربانیۃ او اسرار اللطائف مکامن الرشد---"[30] یہاں سہ حرفی لفظ ہے پھر بھی اس کا آخری حرف "ر" کو بیان فرمایا ہے جس کی تعبیر سورت یوسف کے حرف مقطعہ سے مختلف نہیں، یعنی جو رحمت کے لفظ کی رہے یہ خلاصہ رحمت ربانی ہے، یا پھر یہ ج لفظ رفعت کے پہلے لفظ ر سے ہے یعنی مراتب رفعت کا جھنڈا، یا یہ ربانیت کے لفظ کا پہلا حرف رہے، یعنی معارف ربانیت یا یہ ر لفظ رشد کے ابتدائی حرف ر" ہے یعنی رشد وہدایت کے لطائف کے مکامنات۔ یہ ایک منفرد اسلوب تفسیر مقطعات ہے، جس کا ماخذ تو بیان نہیں فرماتے، البتہ قاری کا دل اس کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔

ایک اہم طرز ان کے ہاں بغیر نام لئے سورت کا ایک موضوع ذہن میں رکھتے ہیں پھر اس کا ترابط کئی کئی آیات تک چلاتے ہیں۔ عرف میں ہم اسے ان کا نظم قرآن یا ربط آیات کے اسلوب کہہ سکتے ہیں، جو اس تفسیر کے کلی اسلوب کی حیثیت رکھتا ہے، باقی چیزیں جزوی درجہ کی ہیں۔ سورت انفال کی پہلی آیت میں لفظ انفال کو مرکزی حیثیت دے کر سینتیسویں 37 آیت تک ربط معنوی بیان فرمایا ہے۔ پھر قطعات آیات میں مخفی پہلو کو نہایت درک وکمال کے ساتھ قاری کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔ سورت انفال کی پہلی آیت میں "فاتقوا اللہ" کی تفسیر انفال کے لفظ سے جوڑتے ہیں۔ یعنی مال غنیمت کے تصرف میں اللہ سے ڈرو۔ اس طرح اس سے آگے توکل اور نماز کو اس سیاق میں پھر مال غنیمت میں طمع سے اجتناب جو ممکن ہے توکل سے اور نماز کے قیام سے تاکہ وساوس جمع مال سے دل پاک رہے۔[31] توکل کا نتیجہ آیت کا اگلا حصہ لھم درجٰت عند ربھم کے بعد اس طرح لکھا ہے: "(لھم درجٰت عند ربھم) بدل درجات الاموال عند الخلق علیٰ انّ الاموال من اسباب المعاصی "[32] یعنی جس کو مال غنیمت کا لالچ نہ ہو گا تو اس مالی خسارے کا بدلہ بصورت درجات اخروی دیا جائے گا، کیونکہ مال گناہوں کے اسباب میں سے ہے۔

ربط ما قبل کا اسلوب: شیخ مہائمیؒ آیات کو ان کے ما قبل سے اس سادہ انداز سے جوڑتے ہیں، کہ تکلف کا گزر تک نہیں ہوتا۔ پچھلی آیت جن الفاظ پر ختم ہوئی شیخ نے اس آئندہ آیت سے جوڑ دیا۔ آیت 18 کے خاتم الفاظ "کید الکافرین" کو اگلی آیت سے جوڑ دیتے ہیں۔ "(ان تستفتحوا) ایھا المشرکون بکیدکم "فقد جاءکم الفتح بقتلکم واسرکم---ان تنتھوا---عن کیدکم۔[33] یہاں کید الکافرین کو کید المسلمین سے جوڑ کر کید المسلمین کو غالب کر کے بیان کر دیا۔ پھر آخر میں کفار کو اپنی کید سے باز رہنے کی تلقین کی۔ شاید مولانا کے نزدیک سورت چھوٹے چھوٹے موضوعات میں بٹی ہوتی ہے۔ سورت انفال کے ضمن

میں استجابت للہ کو بہت سی آیات میں بیان کیا ہے:"(استجیبوا للہ والرسول)بالعمل بقتضیٰ ماسمعتم من الکتاب والسنة اذا دعاکم ---واعلموا ان الله اذا لم تستجیبوا ُله---شدید العقاب لتارک الاستجابة فی الاخرة---واتقوا) فی ترک الاستجابة---لا تصیبن الذین ظلموا) لترک الاستجابة---واذکرو ان منکم ضعفکم عن استجابة الله والنهی عن ترکها---اذ انتم قلیل ومع قلتکم استجبتم لله ولم تترکو علیٰ ضعف القلة---"[34] یہ آیات نمبر 23 تا 27 کا ربط ہے، جس کا موضوع استجابت دین ہے، اس کا انکار باعث ذلت ورسوائی ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہو، یعنی کتاب وسنت کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرو، درمیان میں کہا اللہ جانتا ہے، ان کو جو اس کی دعوت پر کان نہیں دھرتے، سخت پکڑ ہوگی بوجہ ترک استجابت پر۔ پھر اس استجابت پر لبیک نہ کہنے پہ ان کے خاص وعام مبتلاء فتنہ ہونگے۔ پھر آئندہ آیت سے اس مضمون کو یوں مربوط کیا۔ کہ جب تم کمزور تھے اور استجابت پر لبیک نہ کہ سکے اس طرح یہ اسلوب تفسیر مہائمی کا خاصہ ہے، جو شیخ کے قرآنی تدبر کا نتیجہ ہے۔ سورت انفال کی آیت 34 کا ربط 35 اور 36 سے اس طرح بیان فرمایا ہے، اس آیت کا مرکزی موضوع ولایت کعبہ کا حقدار حقیقی کون ہے، ہے۔"ومالهم الا یعذبهم الله---ان اولیاؤه الا المتقون) فلهم ان یصدو المفسدین عنه ولٰکن اکثرهم لا یعلمون---ما کان صلاتهم عند البیت)الذی یتوجه الیه المصلون لغایة حرمته(الا) مبطلة لحرمته لکونها---ثم اشارا الیٰ ان صدقاتهم ایضا کفر فقال (ان الذین کفروا ینفقون اموالهم)---"[35] یہ کعبہ کے متولی کیسے ہوسکتے ہیں، جبکہ یہ کعبۃ اللہ میں آنے سے روکتے ہیں، پھر انکی نماز سوائے تماشا کے کچھ بھی نہیں، اس سے اگلی آیت میں ان انفاق للشر کی مذمت فرمادی۔ یعنی تین بنیادی چیزیں ایک متولی کی فکر وعمل کا لازمی جزو ہوں، وہ خانہ خدا کو آباد کرنے والا ہو نہ کہ برباد کرنے والا، اس کی نماز نماز خشیت ہو نہ کہ کھیل تماشا، اور تیسری بات وہ جب بھی خرچ کرے اللہ کی راہ میں کرے، نہ کہ اس کی راہ روکنے یعنی لوگوں کو دین میں آنے سے روکنے پر ہو۔

بعض مقامات پر مفسرؒ کا اسلوب یکسر جداگانہ بھی رہا ہے، یعنی دور کی دو آیات میں ربط قائم فرما کر ان کے مضامین کو یکجا فرمادیتے ہیں۔ سورت انفال کی 37 ویں آیت کا ربط سورت کی پہلی آیت سے یوں جاملایا ہے:"ان کنتم اٰمنتم بالله) فقضی الایمان بالله الشکر علیٰ نصره واعطائه الغنیمة ---وما انزلنا)من النصر ---"[36] اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، پس اس ایمان کا تقاضا ہے کہ اس نے جو بدر میں تمہاری مدد کی اس پر اس کا شکر بجالاؤ، نیز اس نے جو تمہیں غنیمت سے نوازا، اور جو ہم نے اتارا یعنی تمہاری امداد کو۔ شیخؒ نے کس قدر خوبصورتی سے مضامین کو ایک ہی لڑی میں پرودیا ہے، اضداد مضامین کا ربط بھی نہایت درک سے بیان فرماتے ہیں:

> "بطرا ورئاالناس) ای فخرا بالشجاعة طلب الثناء بها---واعتقاد کون البطر والرئا من اسباب النصر انما هو تزئین الشیطان فاذکر (اذ زین لهم الشیطان اعمالهم)التی هی اسباب القهر فاراها ایاهم اسباب النصر---"[37]

اس مقام کو سمجھنے کے لئے سیاق کا علم لازمی ہے، بات یہ چل رہی تھی کہ کفار اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے، ان کے اترانے کا سبب شیطٰن کی تزئین اعمال تھی، اب لطیف انداز سے مسلمانوں کو بھی سمجھادیا کہ تمہاری کامیابی کی وجہ عدم بطر ورئا تھا جسے تم نے قائم رکھنا ہے، تو اس طرح اللہ کی مدد تمہیں شامل حال رہے گی۔ یہ تفسیر اسلوب نظم قرآنی میں جداگانہ حیثیت

رکھتی ہے، دیگر قائلین نظم کا اسلوب ایسا نہیں ہے۔ سورت کا مختصر شان نزول بھی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ سورت انفال کے شان نزول کے ضمن میں رقم طراز ہیں۔

"وذٰلک ان عیر قریش فیها اربعون راکبا،فیهم ابوسفیان اقبلت من الشام وفیها تجارة عظیمة فاخبر جبریل رسول الله ﷺ،فاخبر المسلمین فاعجبهم تلقیها الکثرة المال وقلة الرجال ---الغوث الغوث فضوا الیٰ بدر وکان علیه السلام بواد قران فنزل علیه جبرائیل بعدة احدی الطائفتین فاستشار رسول الله ﷺ اصحابه فقال بعضهم ---فهٰذه کراهة للقتال---"[38]

یہ سورت اس واقعہ کے موقع پر نازل ہوئی، جب قریش کا ایک لشکر جو چالیس سواروں پر مشتمل، جن میں ابوسفیان کی قیادت تھی ملک شام سے واپس آرہے تھے، ان میں ان کی تجارت کا بہت زیادہ مال تھا، پس اس کی خبر جبریلؑ نے نبی پاک ﷺ کو اور آپ نے مسلمانوں کو دی، جو کثرت مال اور قلت افراد کی وجہ سے ان کو بھلی لگی، کفار کے ایلچی نے مکہ جا کر مدد، مدد کہ کر پکارا، پس قریشی بدر کی جانب روانہ ہوئے، ادھر آقا ﷺ وادی قران میں اترے، جبریلؑ آپ پر وحی لے کر اترے، اس بشارت کے ساتھ کہ ان دو لشکروں میں سے ایک نوید ہے، پس صحابہ رضی اللہ عنھم میں اختلاف ہوا جو کراہت محسوس کررہے تھے لڑائی سے۔

اس کو نقل کرکے تجزیہ نہیں فرماتے، اس روایت کا مصدر بھی بیان نہیں فرمایا۔ لیکن یہ اسلوب ہر سورت میں نہیں پایا جاتا، بہت کم سورتوں کے شان نزول بیان فرمائے ہیں۔ الفاظ اور جملوں کی صرفی و نحوی تراکیب بیان کرنے میں اسلوب ایسا دلنشیں ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم کی قرآنی حیثیت کے بیان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے جز و اسم اللہ کی صرفی ترکیب میں عجیب نکتے بیان فرمائے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"وقال الشیخ محی الدین ابن العربی فی شرح اسماء الله تعالیٰ الله الذی له القدرة والاختراع والخلق والامر الجامع الذات والصفات والافعال انتهیٰ وقیل الاصل فیه هاء الغیبة ثم زید لام الملک لمالکیة ثم حرف التعریف تفخیما وقیل الهمزة لظهور الذات ظهور الاف بها لذٰلک استخلف علیها والهاء لا ضمارها اشارة الیٰ انه الظاهر والباطن واللام الولیٰ لتعریفهٖ بالظهور والثانیة اشارة الیٰ لطفهٖ بالبطون بعد کمال الظهور والاشبه انه علم جامد للفرد الموجود من واجب الموجود وهو قول اکثر المحققین کالخلیل وسیبیویه والشافعی وابی حنیفة والحلیمی والخطابی وامام الحرمین والغزالی ---"[39]

شیخ مہائمیؒ جہاں ضروری سمجھتے ہیں، وہاں تاریخ بھی بیان فرمادیتے ہیں، تاہم اس کے مصادر کا مطلقاً ذکر نہیں کرتے، سورت یوسف جو ایک قصہ جسے قرآن نے احسن القصص سے تعبیر فرمایا ہے، قرآن کے اجمالی اسلوب کی وجہ سے جس کی حکمت خدا جانتا ہے، قاری کے ذہن میں بہت سے سوال چھوڑ جاتا ہے، انہوں نے کچھ نہ کچھ ان کے جوابات متعین کرنے کی کوشش کی

ہے۔ تعیین عمر بنیامینؑ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔"یا بنیّ) صغرہ اصغر سنۃ اذ کان ابن اثنتی عشر سنین۔۔۔"[40]حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں سے مخاطب ہوئے، سب سے چھوٹا بیٹا ابھی بارہ سال کی عمر کو پہنچا تھا۔اسی طرح برادران یوسفؑ کے اسماء بھی نقل فرمائے ہیں۔" علیٰ اخوتک) روبیل وشمعون و لاوی ویھوذا وربالون ویشجر ودان و نغتالی وجاد واشر وبنیامین اذ تزیدھم حسدا علیک۔۔۔"[41]یعنی اپنے بھائیوں کو اس خواب پر مطلع نہ کرنا ورنہ ان کا حسد آپ کے بارے میں پہلے سے بھی بڑھ جائے گا، ان بھائیوں کے نام شیخؒ نے یہ گنوائے ہیں:1۔روحیل 2۔ شمعون۔3 لاوی۔4 یہوذا۔5 بالون۔6 یشجر۔7 ودان۔8 نغتالی۔9 جادوا۔10 اشر۔11 بنیامین۔حضرت یوسفؑ کو قتل سے بچانے اور اس سے کم تکلیف دلوانے اور بنیامین کی مصر میں روک لئے جانے پر مصر رہ کر عمر وہیں بسر کرنے کا ارادہ کرنے والا بھی یہوذا تھا، جسے بعد میں یہودا لکھا جانے لگا۔[42]

جس شخص نے جناب یوسفؑ کو کنوئیں سے نکالا اس کا نام شیخ نے اس طرح بیان کیا ہے۔"(واردھم) وھو الذی یرد الماء لیستسقی وکان مالک بن ذعر الخزاعی۔۔۔"[43]ایک اہم بحث عزیز مصر کی تحقیق ہے، اس ضمن میں اسلوب یہ ہے:"(وقال الذی اشتراہ من مصر) وھو العزیز الذی کان علیٰ خزائن ملک مصر الولید بن الریان واسمہ قطفیرا او اطفیر ۔۔۔"[44]جس آدمی نے حضرت یوسفؑ کو خرید اوہ عزیز مصر تھا، جو ملک مصر کے خزانوں پر مامور تھا، جو ولید بن ریان تھا اور اس کا نام قطفیر یا اطفیر تھا۔ اب شیخؒ نے ان اقوال کی نسبت تک کسی مورخ کی جانب نہ کی، چہ کہ اس کا مصدر بیان کرتے۔ان سب باتوں کے علاوہ اس تفسیر کا سورت کا اختتامی طرز ہے، جہاں شیخ مہائمیؒ کا اسلوب اس طرز کا ہے، ہر سورت کے اختتام کا منظر یوں ہے۔" تم واللہ الموفق واللھم والحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمدﷺ وآلہٖ اجمعین"[45]اس طرح شیخ آخر میں اللہ کی حمد، آقائے نامدار ﷺ پر درود بھیج کر ہر سورت ختم کرتے ہیں۔

شیخ کے اسلوب کا مختصر خاکہ ہے، یہ ایک نہایت مختصر تفسیر ہے، جس کا اسلوب جلالین سے کافی حد تک مماثل ہے۔ سورت کا تعارف، اس کے مضامین کا خلاصہ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ہر سورت سے ربط، پھر ربط آیات کا حسین اسلوب، نیز حروف مقطعات کی تفسیر، تاریخ وتصوف، فلاسفہ لغویین وفقہاء کی آراء اور شوافع کو ترجیح، ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کا دفاع، اور آخر سورت میں اللہ جل شانہ کی حمد، اس کے نبی ﷺ پر درود سے ختم کرتے ہیں۔

خلاصۂ بحث

1۔ شیخ علاؤالدین علی بن احمد مہائمی(835ھ) ایک عظیم مفسر وصوفی تھے۔ آپؒ کی تفسیر تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان دو جلدوں میں مطبع بولاق مصر سے شائع ہوئی۔

2۔ تفسیر مہائمی کا شمار نظم قرآن سے بحث کرنے والی اجل تفاسیر میں ہوتا ہے۔

3۔ تفسیر کا اسلوب جداگانہ حیثیت کا حامل ہے، جو اپنے عصر میں مفرد ہے۔

4۔ قرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت ہر سورت پر بیک وقت نگاہ رکھتے ہیں، وجہ تسمیہ سورت اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ہر سورت سے ربط بیان کرنا ان کا امتیازی پہلو ہے۔

5۔ فقہ میں شافعی المشرب ہونے کے باوجود فقہاء سے استشہاد کرنے میں ادب وانصاف کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

6۔ صوفیانہ ذوق کے پیش نظر احوال باطن کو ترجیحاً ذکر کرتے ہیں۔

7۔ آیات میں ربط ومناسبت کا انداز نہایت لطیف طرز کا ہے۔

8۔ قرآنی قصص وواقعات کی ضروری تاریخ بھی بیان کرتے ہیں۔
9۔ صرفی ونحوی تراکیب مختصر انداز سے حل کرتے ہیں۔
10۔ یہ تفسیر نہ صرف علوم بلکہ ہندوستانی رجحانات کی علمبردار بھی ہے۔

References

[1] Molana Ali,Rehman, Tazkirah Ulamā-i-Hind (Nowel kishor press,1894), 1.
[2] Syed Ibrahim Madni, Zameer-ul-Insān (Bumbai: Shahābī Press,1924), 10
[3] Nawab Azez Yar Jang, Tarikh-un-Nawait(Haiderabad Dakan,1904), 354.
[4] Shah Waliullah, ,Al-Khair-ul-kaseer (Karachi: Matba Saeed,n.d),184,186.
[5] Imam-ul-Din Gulshan Abadi ,Barakat-ul-Auwlia (MumbaiPress, nd), 36.
[6] Gulshan Abadi ,Barakat-ul-Auwlia 36.
[7] Gulshan Abadi ,Barakat-ul-Auwlia 36.
[8] Shah Abduhaq Dehlvi Akhbar-u-Akhyār, 73.
[9] Nuzahat-ul-khwatir,105/3.
[10] Molana Abuzafar Nadvi,,Gujrat ki ilmi wa tamdani tareekh muslmanon kay Ahd Main Azam Grah: Dār-ul-Musanifeen, nd)24.
[11] Molana Abdulhay Lakhnavi, Yade Ayām (Ali Garh college: Institute Gazett,1919), 60.
[12] Muhammad salim Qidwaei, Hindustani Mufasireen aur un ki Arabi tafseeren, (Maktaba Jamia dehli,1973), 23 to 34.
[13] Dehlvi Akhbar-u-Akhyār, 73.
[14] Muhammad Hassan Ghousi, tazkare Abrar, tarjma Gulzar, 141.
[15] Lakhnavi, Yade Ayām, 59.
[16] Ahmed Ibn Ali al-Muhaimi, Tabseer-ur-Rehman wa taseer-ul-Mnan (Egypt: Matba-i-bolāq, nd)1:6.
[17] Al-Muhaimi, Tabseer-ur-Rehman wa taseer-ul-Mnan,1: ,33.
[18] Al-Muhaimi, Tabseer-ur-Rehman wa taseer-ul-Mnan,4:2
[19] Al-Muhaimi, Tabseer-ur-Rehman wa taseer-ul-Mnan 1:128,129.
[20] Al-Muhaimi, Tabseer-ur-Rehman wa taseer-ul-Mnan, 1: 10
[21] Al-Muhaimi, Tabseer-ur-Rehman wa taseer-ul-Mnan, 1:6.
[22] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi,1:14.
[23] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi,1:13
[24] Al-Muhaimi, Tabseer-ur--Rehman,11.
[25] Al-Muhaimi, Tabseer-ur--Rehman 27.
[26] Al-Muhaimi, Tabseer-ur--Rehman 31.
[27] Al-Muhaimi, Tabseer-ur--Rehman,1:441
[28] Al-Muhaimi, Tafseer muhaimi,1:361
[29] Al-Muhaimi, Tabseer-ur—Rehman, 256
[30] Al-Muhaimi, Tabseer-ur—Rehman:377.
[31] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi, 378.

[32] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi, 37

[33] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi, 1:378

[34] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi,383.

[35] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi, 384

[36] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi, 1:386

[37] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi, 387

[38] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi, 279

[39] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi, 16

[40] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi, 1,356

[41]Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi, 1.356

[42] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi, 1.356

[43] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi 1.356.360

[44] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi 361

[45] Al-Muhaimi, Tafseer Muhaimi,9,101,138,177,207,245,277,249,319,377,356,376,386.